اب کیا ہوگا۔۔۔

مستقبل

فرخ سہیل گوئندی

02-05-2013

انتخابات کے اعلان اور نگران حکومت کے قیام کے دن اب بہت قریب ہیں، لیکن پاکستان کی سیاسی اور صحافتی فضا پر غیر یقینی کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ابھی تک سازشی تصور صحافتی و سیاسی حلقوں میں چھایا ہوا ہے کہ کیا انتخابات ہوں گے اور کہیں تین برسوں کے لیے کوئی نگران حکومت تو قائم نہیں ہو جائے گی؟ یہ ایک ناقابلِ یقین اور ناقابلِ عمل تصور ہے کہ ایسی ریاست میں غیر معروف اور غیر منتخب لوگوں پر مشتمل تین سال کی نگران حکومت قائم کر دی جائے، جس کو منتخب لوگوں کے ذریعے چلانا ایک مشکل کام ہے۔ پاکستان میں آمریت کی تاریخ سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ پاکستان میں طویل عرصے تک غیر منتخب حکومتیں اس وقت ہی قائم ہوئیں جب منتخب سیاسی حکومتوں نے ملک کو استحکام بخشا۔ 1958ء میں ایوب خان کی آمریت، 1969ء میں یحییٰ خان کی آمریت، 1977ء میں جنرل ضیاالحق کی آمریت اور پھر 1999ء میں جنرل مشرف کی آمریت اس وقت مسلط کی گئیں کہ جب ملک میں سیاسی استحکام قائم ہونے لگا۔ پاکستان 2008ء میں جہاں کھڑا تھا اور آج 2013ء میں جو سیاسی اور ریاستی معاملات ہیں ان میں کوئی بہتری نہیں آئی، اس لیے اسٹیبلشمنٹ یہ کیسے چاہے گی کہ تمام سیاسی جماعتوں کو حکومت واقتدار سے Disengage کر کے غیر منتخب لوگوں کی تین برسوں کے لیے حکومت قائم کر دی جائے۔ ایسے میں تو ملک کی تمام سیاسی قوتیں ایک گرینڈ الائنس بنا کر اس نگران حکومت کے خلاف سڑکوں پر بھرپور تحریک کو برپا کر دیں گی، لہٰذا یہ تصور کہ تین سالہ نگران حکومت قائم کر دی جائے زمینی حقائق سے جڑتا نظر نہیں آرہا۔ اس تصور کے پیچھے یہ حقیقت ضرور ہے کہ امریکی، پاکستان کو قائم تو رکھنا چاہتے ہیں لیکن ایک ایسا پاکستان جو ان کے قدموں میں گرا رہے اور ان کے کندھوں پر سوار ہو کر خطے میں ان کے مفادات کی تکمیل کرتا رہے، یہ تصور اُن کے مفادات کے قریب ہے کہ ایسے میں پاکستان کو مزید Destablize کر دیا جائے، یعنی ایک مفلوج پاکستان۔ یقیناً اس تصور کی بنیاد ایسے دانشوروں نے رکھی ہے جو طاقت کا مرکز پاکستان کی سرزمین پر قائم نہیں رکھنا چاہتے۔ ایسے میں مسلح افواج جنہوں نے اپنی عسکری حکمتِ عملی میں واضح شفٹ لے کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ پاکستان کو سرحدوں کے مقابلے میں اندرونی خلفشار سے زیادہ خطرات ہیں وہ کیسے کسی ایسی مہم جوئی کا آغاز کر سکتے ہیں کہ جن میں ان کی مخالفت کے مزید محاذ کھل جائیں۔ افواجِ پاکستان سرحدوں پر اور اندرونِ ملک ایک جنگ سے دوچار ہیں، وہ کیسے ایسی حکومت کی خواہاں ہوگی کہ جس میں پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں کو Disengage کر دیا جائے۔ یہ شوشہ سراسر امریکی پالیسی سازوں کا ہے اور ایسے تصور کی حمایت جہاں سیاسی جماعتیں نہیں کر سکتیں ویسے ہی مسلح افواج بھی اس تصور کے خلاف ہیں۔

البتہ انہی تیز رفتار سیاسی تبدیلیوں کے ایام میں یہ ضرور ہوا ہے کہ حکومت اور اپوزیشن جماعتوں نے جو معاملات آئینی ترامیم

کے ذریعے طے کر لیے تھے، ان پر مقتدر حلقوں کو اتفاق نہیں، خصوصاً انتخابی عمل اور سخت گیر نگران حکومت کے قیام پر مقتدر حلقے مداخلت کرتے محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ وہ کسی ایسے نگران وزیر اعظم پر تحفظات رکھتے ہیں جو حکومت اور اپوزیشن جماعتیں ''بالا بالا'' طے کر لیں۔ اس لیے ہم دیکھیں گے کہ جیسے ایک سخت گیر چیف الیکشن کمشنر فخر الدین جی ابراہیم نامزد کیے گئے ہیں ایسی ہی شخصیت کا مالک نگران وزیر اعظم نامزد کیا جاسکتا ہے جس کا تعلق حکمران اور اپوزیشن جماعتوں سے نہیں ہوگا اور تمام جماعتوں کو اس کی شفاف شخصیت کے حوالے سے اسے قبول کرنا ہوگا اور اس طرح انتخابی عمل کو شفاف رکھنے کے لیے تمام سیاسی جماعتوں کا حکومت پر اثر قائم نہیں ہونے دیا جائے گا۔

حکومتی اور اپوزیشن جماعتیں فروری میں اعلانِ انتخابات کے لیے تیار نظر آرہی ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ بیسیویں آئینی ترمیم کے تحت صرف وہی فیصلے کی اوّلین وآخر طاقت رکھیں کہ کس کو نگران وزیر اعظم نامزد کیا جائے۔ اس نکتے پر پاکستانی اسٹیبلشمنٹ انتخابات کو ملتوی کیے بغیر غیر محسوس انداز میں مداخلت کرتی نظر آرہی ہیں۔ امکانات ہیں کہ 10 فروری 2013ء کو پنجاب حکومت کے میٹرو ریپڈ بس سروس کے بعد سیاسی فیصلوں میں تیزی آجائے گی اور مارچ کے مہینے میں سیاسی جماعتیں انتخابی اتحاد (Alliances) اور قبل از انتخابی معاملات طے کرنا شروع کر دیں گی۔ پاکستان پیپلز پارٹی بہاولپور جنوبی پنجاب کے صوبے کے قیام کے لیے صرف اس لیے سرگرم ہے کہ ایسے میں پنجاب سے وہ قومی اسمبلی کی معقول نشستیں حاصل کرنے کے امکانات پیدا کر لے اور بعد از انتخابات وہ ایک بار پھر مخلوط حکومت بنانے کا خواب لیے بیٹھی ہے۔ البتہ ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آرہا۔ پنجاب کے انتخابی نتائج پاکستان میں حکومتوں کے قیام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگلے انتخابات میں پی پی پی پنجاب میں مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گی۔ یہ آسانی سے محسوس کیا جاسکتا ہے کہ پنجاب سے پاکستان مسلم لیگ (ن) واضح حیثیت سے قومی اسمبلی کی نشستیں حاصل کرے گی۔ پاکستان پیپلز پارٹی ایک نا کہانی صورتِ حال کا شکار ہوگی کہ جب بعد از انتخابات ایک ایسی مخلوط حکومت کے قائم ہونے کے امکانات ہیں جس میں ان کے شریک چیئرمین جناب آصف علی زرداری مطلوبہ نتائج حاصل نہ کرنے کے سبب اپنی پارٹی کی وفاق، پنجاب، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں حکومتیں قائم نہیں کر سکیں گے۔ ایسے میں جناب آصف علی زرداری انتخابی نتائج میں ابھر کر سامنے آنے والے منظر نامے میں اپنے آپ کو ایک اجنبی (Alien) محسوس کریں گے اور پھر سیاسی چالیں چلنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اقتدار کے بکھرتے پتے یقیناً انتخابات کے بعد واضح ہو جائیں گے، لیکن ہم دیکھیں کہ انتخابات کے اعلان اور نگران حکومتوں کے قیام کے ساتھ ہی اقتدار کے بکھرنے کا عمل شروع ہو جائے گا اور پھر جناب صدر کے گرد لاتعداد بروٹس کھڑے ہوں گے اور وہ حیرانی سے ان کی طرف دیکھیں گے۔

اقتدار کی حقیقی قوتیں اس سارے منظر نامے میں پس منظر میں رہ کر ہی اپنا کردار ادا کریں گی، لیکن یہ طے ہے کہ سیاسی ٹریک کے Signals بدلنے کا حتمی اختیار انہی کے پاس ہے۔ ''جمہوریت کا سراب'' جاری وساری رہے گا اور وہ لوگ بھی خوشی سے بغلیں بجائیں گے جو انتخابی عمل کے تسلسل کو جمہوریت سے تعبیر کر کے پاکستان میں تبدیلی کا خواب دیکھتے ہیں۔ دلچسپ تبدیلی تو یہ ہے کہ پاکستان کا روایتی دایاں بازو جو پانچ دہائیوں تک آمریتوں کا ساتھی بننے پر زیادہ رضامند رہا ہے، وہ اب اس اشرافیائی جمہوریت کو منزل سمجھ رہا ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کا قیام طاقت کے تمام مراکز توڑے اور اقتدار کی طاقت کو عوام تک منتقل کیے بغیر ممکن ہی نہیں۔